ہمارے کچھ دینی بھائیوں سے یہ کوتاہی سرزد ہوتی ہے کہ وہ دائیں بائیں طرف ٹخنے ملانے کے شوق میں اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ انگلیوں کا قبلہ رُو ہونا ضروری ہے۔

[3] صف میں امام کے پیچھے اور دائیں بائیں اہل علم اور ارباب عقل ودانش کا ہونا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:"**ليلني منكم أولوا الأحلام و النهىٰ ثم الذين يلونهم** ....." [مسلم حدیث: ٤٣٢] "تم میں سے اہل عقل وخرد میرے قریب رہیں۔"

اس حدیث میں جہاں اہل علم وعقل کے مقام ومرتبے کو معین کر کے ان کے فضل وکمال اور برتری کو ظاہر کیا گیا، وہاں بطور تعریض تحت اللفظ علماء وعقلاء کو بھی تاکید اً ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنے مقام ومرتبے کو پہچان لیں اور مستحق ومناسب نشست پر قبل از وقت جاگزین ہوں۔ اگر کسی مسجد میں نام نہاد مولوی یا عالم نماز کے لیے آتا ہی دیر سے ہو تو "**ليلني منكم أولوا الأحلام و النهىٰ**" کا تقاضا ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کوتاہ عمل عالم کے انتظار میں نماز ہی کو مؤخر کر دیا جائے یا اس کے لیے خالی جگہ چھوڑ رکھی جائے۔ بلکہ اس وقت "والفضل للمتقدم" کے تحت مسجد میں موجود لوگوں کو "أولوا الأحلام" کی ترتیب سے صف بندی کر کے نماز شروع کرنا چاہیے۔

[4] "ميامن الصفوف" یعنی صفوں کا دایاں سمت بائیں سمت کے مقابلے میں زیادہ افضلیت اور ترجیح کا مستحق اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا زیادہ عمدہ ذریعہ ہے۔ لہٰذا دائیں طرف کے لیے مسابقت کرنا مستحسن ہے۔

[5] نماز باجماعت میں ستونوں کے درمیان صف بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ جس کا ایک واضح ترین سبب یہ ہے کہ ستون کی وجہ سے صف کے درمیان ایسا خلارہ جاتا ہے، جس کو پر کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

[6] کسی مکمل صف کے پیچھے اکیلے شخص کا باجماعت نماز کے لیے کھڑا ہونا بھی ممنوع ہے۔☆ و اللہ أعلم

☆ ایسی صورت میں نمازی کو کیا کرنا چاہیے؟ اس کا جواب درکار ہو تو دیکھیے: مجلۃ التراث شمارہ (٢)

عقیدہ توحید قسط: (۴)

بدعت کی شرعی حیثیت

تحریر : محمد حسن آصم صدیقی مرحوم
تقدیم : عبدالوھاب خان

امانت وصداقت اور حق پسندی کا جو جذبہ خیر القرون کے لوگوں میں تھا' وہ بعد والوں میں نہ رہا۔ بلا شک خیر القرون میں بھی فتنوں نے سر اٹھایا، مگر خیر القرون کی اکثریت نے انہیں مسترد کر دیا اور بہت سے لوگوں نے ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے اپنی متاع جان بھی قربان کر دی۔

صحابہ کرام ؓ، تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا زمانہ خیر القرون ہے۔ اور انہی زمانوں کو قرون ثلاثہ یا قرون مشہود لھا بالخیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ طبقات رجال کی کتابوں میں تصریح ملتی ہے کہ تبع تابعین کا دور 220ھ تک رہا ہے، اس عرصے میں جتنے اہل ایمان گزرے ہیں' وہ عموماً اخلاص، تقوی اور علم وعمل میں بعد والوں پر فائق تھے۔ اور یہی وہ اسلاف کرامؒ ہیں، جن کا نقش قدم ہمارے لیے کامیابی کا زینہ ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبوں میں فرمایا کرتے تھے: **"فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدىٰ هدىٰ محمد ﷺ و شر الأمور محدثاتها و كل بدعة ضلالة ....."** (مسلم كتاب الجمعة 6 / 153)

سنن نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں **"شرّ الأمورِ محد ثاتها"** کے بعد **" و كل محدثة بدعة "** کے الفاظ بھی ہیں۔ (نسائی كتاب العيدين 3 / 188، ابن ماجه مقدمه 1 / 17)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **"من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه' فهو رد"** (بخاری كتاب الصلح 5 / 355 ، مسلم كتاب الأقضية 12 / 16)

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے: **" من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد "**(12/16)

ان احادیث میں خاتم الأنبیاء ﷺ نے انتہائی زور دار تاکید کے ساتھ بدعات سے اجتناب کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ خیر القرون کی حدیث میں آپ ﷺ نے سنت نبوی اور متبعین سنت کی اتباع کرنے کی تلقین فرمائی ہے، کہ سنت

اس راستہ کا نام ہے جس پر یہ اکابر اسلاف ؒ عمل پیرا رہے ہیں۔اور بدعات کی تردید والی احادیث میں اس امر کو مبرہن کیا گیا ہے کہ خیر القرون کے عقیدہ وعمل کے خلاف جو کچھ "دین" کے نام سے ایجاد کیا جائے، وہ بدعت ہے۔اور بدعت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شریعت میں مردود اور معصیت ہے۔ **"خیر القرون"** کے مفہوم سے **اتباع** کا حکم دیا اور **"ایاکم و محدثات الأمور"** کے منطوق سے اجتناب کا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

أقول :" الفرقة الناجية هم الآخذون في العقيدة والعمل جميعا بما ظهر من الكتاب والسنة وجرى عليه جمهورُ الصحابة والتابعين ، وان اختلفوا فيما بينهم فيما لم يشتهر فيه نص ولا ظهر من الصحابة اتفاق عليه استدلالاً منهم ببعض ما هنالك أو تفسيراً لمجمله . وغير الناجية كل فرقة انتحلت عقيدة خلاف عقيدة السلف أو عملا دون أعمالهم". (حجة اللہ البالغة، من ابواب الاعتصام بالكتاب والسنة 1/ 170)

"نجات یافتہ فرقہ وہ لوگ ہیں' جو عقیدہ اور عمل دونوں میں وہی کچھ اختیار کرتے ہیں جو کتاب الٰہی اور سنت نبوی سے ظاہر ہوتا ہے،اور جس پر عام صحابہ کرام ؓ اور اکثر تابعین رحمۃ اللہ علیہم چلتے رہے☆۔اگر چہ ان کے مابین بعض ایسی چیزوں میں' جن میں کوئی ٹھوس دلیل مشہور نہ ہوئی اور نہ ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ثابت ہوا، بعض شرعی دلائل سے استدلال یا کسی مجمل نص کی تفسیر کرتے ہوئے اختلاف بھی واقع ہوا ہے۔ اور نجات سے محروم ہر وہ فرقہ ہے' جس نے سلف صالحینؒ کے عقیدے کے خلاف کوئی عقیدہ یا ان کے اعمال کے علاوہ کوئی عمل اختیار کیا۔"

☆ شاہ ولی اللہؒ نے یہ نظریہ عوام الناس کے لیے پیش کیا ہے، جو طالبان علم کے حق میں بھی درست ہوسکتا ہے۔لیکن اسے علمائے دین پر لاگو کرنا ہرگز روا نہیں، کیونکہ اس کا نتیجہ امت پر اجتہاد کے مبارک دروازے کی بندش ہے' جس کی مخالفت میں شاہ صاحبؒ خود پیش پیش ہیں۔

ہر انصاف پسند جانتا ہے کہ اجماع امت نہ ہونے کی صورت میں اسباب ترجیح پر عبور نہ رکھنے والے ہی اکثریت کو اقلیت پر مقدم رکھیں گے۔ جو علمائے دین' ترجیح کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں' ان پر فرض ہے کہ ہر فریق کے دلائل کا موازنہ کر کے اس قول کو اختیار کریں' جو حق کے قریب تر ہو۔اگر عالم دین تحقیق کے کسی مرحلے میں اکثریت واقلیت کے چکر میں پڑ جائے' یا کسی قسم کے تعصب میں گرفتار ہو جائے' یا ذاتی وگروہی مفادات اس کی ترجیح پر اثر انداز ہوں، تو اس نے بلاشبہ قرآن وسنت اور اجماع اسلاف رحمۃ اللہ علیہم کی روش ترک کر دی اور صراط مستقیم سے پھسل کر اوندھے منہ ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑا۔ أعاذنا اللہ !!

اس عبارت کو بار بار پڑھیے اور ملاحظہ کیجیے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو صرف اس فرقہ کو ناجی (نجات پانے والا) تسلیم کرتے ہیں، جو عقیدہ اور عمل دونوں میں سلف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کی پیروی کرتا ہو اور فرماتے ہیں کہ ان کے عقیدہ اور عمل کے خلاف جو بھی عقیدہ یا عمل کسی نے اختیار کیا، وہ یقیناً غیر ناجی ہوگا۔

قرآن پاک وسنت مطہرہ اور اجماع سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی پیروی سے انحراف کا نتیجہ یقیناً نجات اخروی سے محرومیت ہے۔لیکن جن مسائل میں خود صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان اختلاف رہا، ان میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جمہور اسلاف کے نظریے کو قابل ترجیح اور لائق اتباع قرار دیتے ہیں۔

دوسرے مقام پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرقہ ناجیہ واہل حق کے بارے میں فرماتے ہیں:" فأخذوا یتبعون أحادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآثار الصحابة والتابعین والمجتهدین" (حجۃ اللہ البالغۃ)

یعنی:"اہل حق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم اور مجتہدین گرامی رحمہم اللہ کے نقش قدم پر گامزن رہتے ہیں"۔

مشہور ائمہ مجتہدین میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 150ھ) تابعی ہیں اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں شامل ہیں۔غرضیکہ شاہ صاحب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی اتباع کو ذریعہ نجات اور صحت عقیدہ وعمل کی گارنٹی بتاتے اور ان کی خلاف ورزی کو باعث ہلاکت اور سبب عدمِ نجات فرماتے ہیں۔

فقہ اسلامی میں قیاس بھی ایک شرعی دلیل ہے :

امام الأنبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ انسانی ضروریات اور ماحول ایک حالت پر قائم رہنے والی چیز نہیں اور تمدنی ترقی کے ہر مرحلے میں انسانی ضروریات کا تبدیل ہوتے رہنا یقینی ہے۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے فروعی مسائل سے متعلق خود احکام صادر فرمانا مناسب نہیں سمجھا۔زمانہ اقدس میں پیش آمدہ مسائل کا حل علیٰ وجہ البصیرت، وحی الٰہی کی روشنی اور عصمت نبوی کی گارنٹی کے ساتھ بیان فرمایا، اور تاقیامت پیش آنے والے ہر مسئلے کا حل ہر دور کے اہل علم وفہم پر چھوڑ دیا، جو قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی سچی اور محفوظ ترین کتاب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک کی طرف سے مقرر کردہ آخری واجب الاطاعت ہستی مانتے ہیں۔کتاب وسنت کو انسانی زندگی کا اٹل قانون اور واجب التعمیل جاننے والوں کو حق حاصل ہے کہ ہر نئے پیش آمدہ مسئلہ میں اجتہاد وتفقہ سے کام لیتے ہوئے قرآن پاک اور حدیث

شریف کی روشنی میں ہنگامی ضرورت کے مطابق قانون بنائیں۔ یہی علمائے فقہ کے الفاظ میں "اجتہاد" و "قیاس" کہلاتا ہے۔

جب مجتہد کو مطلوبہ مسئلہ میں قرآن کریم اور حدیث شریف میں کوئی واضح حکم نہ ملے اور اس مسئلہ میں علماء سابقین کا اتفاق بھی ثابت نہ ہو تو وہ قیاس سے کام لینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ قرآن وسنت کا خوب علم رکھنے اور آثار صحابہ وتابعینؒ سے آگاہ ہونے اور تعصب وغیرہ عوارض سے بالکل پاک ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ مجتہد کا قیاس اور اس کے ذریعے حاصل کردہ حکم ہمیشہ درست ہو۔ یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ مجتہد مصیب بھی ہوسکتا ہے اور مخطئ بھی، لیکن اللہ رب العالمین کی رحمت کاملہ سے اجتہاد کرنے والے مخلص عالم دین کی محنت رائیگاں نہیں جاتی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران و إذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر"

"جب قاضی فیصلہ کرنے کے لیے خوب کوشش کرے، پھر اس کا فیصلہ درست ہوجائے تو اس کے لیے دوگنا ثواب ہے، اور جو فیصلہ کرے، تو اس میں خوب کوشش کرے، پھر بھی اس کا فیصلہ غلط ہوجائے، تو اس کے لیے اکہرا اجر ہے۔"

[صحيح البخاري، كتاب الاعتصام باب (21) 13 / 330 ، مسلم كتاب الأقضيه : 12 /13-14، أبوداؤد : 4 /6 ، النسائي 8 / 224 ، ابن ماجه 2 /776]

اس متفق علیہ حدیث کا اصل حکم فریقین کے مابین فیصلہ سے متعلق ہے۔ لیکن اس کے مفہوم میں فقہاء اسلام کے استدلال وقیاس پر مبنی فتاوی بھی شامل ہیں۔ اس وسیع مفہوم سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1 - اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہے۔

2 - کسی بھی مجتہد کا فتوی درستی اور غلطی دونوں کا امکان رکھتا ہے۔

3 - غلطی کا امکان ہونے کے باوجود مجتہد کا فتویٰ قابل عمل ہے۔

4 - اگر کسی عالم کی تحقیق سے کسی مجتہد کا فتوی غلط ثابت ہوجائے، تب بھی اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کی بدگوئی کرتا پھرے۔ کیونکہ وہ مجتہد بھی اس نادانستہ غلطی کے باوجود ثواب کا حقدار ہے۔

5 - جس عالم پر دوسرے مجتہد کی غلطی ظاہر ہوجائے اس کے لیے اس کے فتوی پر عمل کرنا درست نہیں۔ بلکہ حسب استطاعت صحیح مسئلہ کی وضاحت کرنا چاہیے، کیونکہ مجتہد کا فتویٰ حقیقت میں کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔ اور راجح مسئلے کی وضاحت تعاون على البر و التقوىٰ کا تقاضا ہے۔

اجتہاد کیلئے ضروری ہے کہ مجتہد قرآن وحدیث کا گہرا علم رکھتا ہو، اور کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے درکار دیگر علوم سے بھی بہرہ ور ہو، معاملہ فہم اور ہوشیار ہو' فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہو اور اخلاص کے ساتھ حق تک رسائی کی بھرپور کوشش کرے، اگر اجتہاد کرنے والے میں مطلوبہ شرائط پورے نہ ہوں' تو ایسے شخص کے لیے اجتہاد کا بارگراں اپنے "ناتواں" - بلکہ "شکستہ" - کندھوں پر اٹھانے کی حماقت ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

عن ابن بریدة عن ابیه ﷺ عن النبی ﷺ قال: **"القضاة ثلاثة، واحد فی الجنة واثنان فی النار۔ فأما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی به' و رجل عرف الحق فجار فی الحکم فهو فی النار و رجل قضی للناس علی جهل فهو فی النار"** [أبوداؤد: 4 /5 و قال:هذا أصح شيء في الباب ،الترمذی: 3 /613 ، ابن ماجه :2/776 ـ وضعفه الألبانی]

"قاضیوں کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم جنتی ہے اور دو جہنمی ۔جنتی وہی شخص ہے' جس نے حق کو پہچان لیا اور اسی کے مطابق فیصلہ صادر کیا۔ جو شخص حق کو پہچان کر فیصلہ میں ظلم کرے' وہ دوزخی ہے۔ اور وہ شخص' جس نے لاعلمی میں لوگوں کے مابین فیصلہ کیا وہ بھی جہنمی ہے"۔ حدیث کے راوی ابوھاشم نے کہا: اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو ہم ضرور یہ کہتے" جب قاضی نے اجتہاد کیا' تو غلطی کے باوجود وہ جنتی ہوگا۔" [ابن ماجه 2/776]

قیاس کے شرائط میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ مسئلہ کتاب الٰہی ،سنت نبوی یا اجماع امت سے ثابت نہ ہو۔ کیونکہ فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر کو نظر انداز کر کے جو شخص قیاس واجتہاد کی تکلف کرے گا' وہ نہ صرف خود راہ حق سے بھٹک جائے گا، بلکہ دوسروں کے لیے بھی ضلالت کا پیشوا بنے گا۔ اس بنیادی شرط کے لیے فقہاء کرامؒ کے ہاں یہ حدیث مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ﷺ کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا تو ان کا انٹرویو لیتے ہوئے سوال فرمایا: **"کیف تقضی إذا عرض لک قضاء؟"** قال: "أقضی بکتاب اللہ" قال: **"فإن لم تجد فی کتاب اللہ؟"** قال: "فبسنة رسول اللہ ﷺ"۔ قال" **فإن لم تجد فی سنة رسول اللہ ﷺ؟**" قال: "أجتهد برأيي ولا آلو" فضرب رسول اللہ ﷺ علی صدره وقال: **"الحمد لله الذی وفّق رسولَ رسولِ اللہ لما یرضی رسولُ اللہ"** [أبوداؤد، کتاب الأقضية: 4 /18 ، الترمذی کتاب الأحکام:3/616 ، مسند أحمد: 1 / 37 ، 5 /230]

فرمایا:"جب کوئی فیصلہ درپیش ہوتو کیسے فیصلہ کروگے؟" بتایا کہ میں قرآن کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا:" اگر